اورینٹل کالج میگزین، جلد۹۹، شمارہ۱، مسلسل شمارہ:۳۷۱، سال ۲۰۲۴ء

پاکستانی نثری طنز و ظرافت: قیام پاکستان تا حال

سید محمد مسعود عالم، پی ایچ ڈی
لیکچرار اردو، گورنمنٹ شالیمار گریجویٹ کالج، باغبان پورہ، لاہور

PAKISTANI HUMOUR AND SATIRE
(A BRIEF HISTORY FROM BIRTH OF PAKISTAN TO PRESENT)

Syed Muhammad Masood Alam, PhD
Lecutrer in Urdu
Govt. Shalimar Graduate College, Lahore

Abstract

Humour and satire is rather a new phenomenon in the history of Urdu Literature. However the quality of output in this short period has been such as is difficult to ignore. Resultantly, no historical account of the progress of Urdu literature deemed complete without the mention of humour and satire. The earliest feel of humour and satire in Urdu literature is witnessed in the literary works of Jafar Zatalli. Humour and satire, as a formal literary medium of expression, first makes its impact in 'Awadh Punch'. By the end of the 20th century, the tradition of humour and satire had become so deep-rooted and well recognized that the critics admitted that the writings of Mushtaq Ahmad Yousufi had helped Urdu prose to reach the pinnacle of its glory and perfection. This article briefly touches upon the tradition of humour and satire after 1947 to now.

Keywords:
Urdu Literature, Awadh Punch, Jafar Zatalli, Mushtaq Ahmad Yousufi.

طنز و مزاح دو الفاظ پر مشتمل ایک مرکب ہے۔ عام طور پر اس مرکب کو ایک ساتھ استعمال کیا جاتا ہے جب کہ ان دونوں کے معنی بالکل مختلف ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان مختلف المعانی الفاظ کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر وہ چیز جو ہمیں ہنسنے یا مسکرانے پر مجبور کر دے، مزاح کی ذیل میں آتی ہے۔ جب کہ طنز کے لیے ہجو یا ہجا کی اصطلاح بھی مستعمل رہی ہے۔ طنز کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا نہیں ہوتا، اس میں ہمیشہ ایک اصلاحی مقصد پوشیدہ ہوتا ہے۔ طنز کے ذریعے معاشرہ اور افراد معاشرہ کی منافقت، مکر و فریب، جھوٹا ورد کھاوے جیسی خرابیوں کو ہنسی ہنسی میں بے نقاب کیا جاتا ہے۔

طنز صرف وہاں زیادہ کام یاب ہوتا ہے جہاں اس میں آفاقیت پائی جاتی ہے، بہ صورتِ دیگر طنز نہیں رہے گا؛ دشنام، طعنہ یا ہجو بن جائے گا۔ اردو میں کنھیا لال کپور (۱۹۱۰۔۱۹۸۰ء) اور فکر تو نسوی کی تحریریں طنز نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں جنھوں نے اپنے متعدد مضامین میں معاشرتی ناہم واریوں اور سماجی کمیوں اور خامیوں کو ایک جراح (سرجن) کی نظر سے دیکھا اور اصلاح احوال کی فکر کی۔ طنز نگار عام انسانوں سے بہ درجہ اعلیٰ فائق ہوتا ہے۔ عام انسان غصے کی حالت میں ہر قسم کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھے بغیر جو جی میں آئے کہ ڈالتا ہے لیکن طنز نگار اپنے غصے کا اظہار بلا واسطہ کرنے کی بہ جائے بالواسطہ کرتا ہے۔ یعنی مزاح کا سہارا لے کر اپنی بات کہہ ڈالتا ہے۔

روزمرہ زندگی میں مزاح کی اہمیت کا اندازہ عربی زبان کے اس مقولے سے لگایا جاسکتا ہے: ''المزح فی الکلام، کالملح فی الطَّعام''یعنی کلام اور گفت گو میں مزاح کی وہی اہمیت ہے جو کھانے میں نمک کی ہوتی ہے۔

اگر کھانے میں نمک نہ ہو تو کھانے کا مزہ نہیں آئے گا۔ یہ عام مشاہدے کی بات ہے کہ انسان ہر وقت پے چیدہ اور سنجیدہ امور میں محو نہیں رہ سکتا بل کہ سنجیدہ امور میں دل چسپی برقرار رکھنے اور اپنا ارتکاز قائم رکھنے کے لیے انسان کو تفریح طبع کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ دماغ کو شگفتگی بہم پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ مزاحیہ ادب ہے۔

اردو نثر میں مزاح نگاری کی روایت کا آغاز عام طور پر **اودھ پنچ** سے کیا جاتا ہے لیکن اردو نثر میں طنز و مزاح کے ابتدائی نقوش اردو نثری داستانوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ نقوش بہت مدھم ہیں۔ اردو نثر میں طنز و مزاح کا باقاعدہ آغاز جعفر زٹلی (۱۶۵۹۔ ۱۷۱۳ء) سے ہوتا ہے۔ بعد ازاں مرزا غالب (۱۷۹۷۔۱۸۶۹ء)، اودھ پنچ کے مدیر منشی سجاد حسین (۱۸۵۶۔ ۱۹۱۵ء) اور **اودھ پنچ** کے دیگر لکھنے والوں، بعد ازاں محفوظ علی بدایونی (۱۸۷۰۔۱۹۴۳ء)، خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۹۔۱۹۵۵ء)، مرزا فرحت اللہ بیگ (۱۸۸۳۔۱۹۴۷ء)، رشید احمد صدیقی (۱۸۹۴۔۱۹۷۷ء)،

عبدالمجید سالک(۱۸۹۵۔۱۹۵۹ء)، عظیم بیگ چغتائی(۱۸۹۵۔۱۹۴۱ء)، ملا رموزی(۱۸۹۶۔۱۹۵۲ء)، پطرس بخاری (۱۸۹۸۔۱۹۵۸ء)، حاجی لق لق(۱۸۹۸۔۱۹۶۱ء)،چراغ حسن حسرت (۱۹۰۴۔۱۹۵۵ء)، شوکت تھانوی(۱۹۰۴۔۱۹۹۳ء) اور کنھیا لا ل کپور، سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲۔۱۹۵۵ء)، مجید لاہوری(۱۹۱۳۔۱۹۵۷ء)، فرقت کاکوروی(۱۹۱۴۔۱۹۷۳ء)،کرشن چندر (۱۹۱۴۔۱۹۷۷ء)اورابراہیم جلیس(۱۹۲۴۔۱۹۷۷ء)نے طنزومزاح نگاری کی عمدہ نمونے پیش کیے۔

قیام پاکستان کے بعد کے مزاح نگاروں میں جسٹس ایم۔آر۔کیانی(۱۹۰۲۔۱۹۶۲ء)،شفیق الرحمٰن(۱۹۲۰۔۲۰۰۰ء)،کرنل محمد خاں(۱۹۲۰۔۱۹۹۹ء)،مشتاق احمد یوسفی(۱۹۲۱۔۲۰۱۸ء)،ابن انشاء (۱۹۲۷۔۱۹۷۷ء)،محمد خالد اختر(۱۹۲۰۔۲۰۰۲ء)،صدیق سالک(۱۹۳۵۔ ۱۹۸۸ء) اور عطاءالحق قاسمی(پ۱۹۴۳ء)کے اسما سرفہرست ہیں۔اگرچہ حاجی لق لق،چراغ حسن حسرت، شوکت تھانوی، سعادت حسن منٹو، مجید لاہوری اور ابراہیم جلیس نے بھی قیام پاکستان کے بعد تھوڑا بہت لکھا لیکن ان کا بیش تر تخلیقی سرمایہ قیام پاکستان سے منظرِ عام پر آ چکا تھا۔ذیل میں مذکور بالا پاکستانی مزاح نگاروں کی ادبی خدمات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کیاجاتاہے۔

عبدالمجید سالک(۱۸۹۵۔۱۹۵۹ء)

سالک نے اپنے کالموں میں زندگی کے متنوع مسائل کو موضوع بنایا ہے۔ان کالموں میں مزاح کی نسبت گہرا طنز پایاجاتاہے۔کہیں کہیں اس طنز میں تلخی بھی در آتی ہے۔یہ تلخی اس وقت اور بھی ناگوار ہوجاتی تھی جب وہ ہم عصر ادیبوں اور صحافیوں کی زبان وبیان پر سخت گرفت کیا کرتے تھے۔مثلاًسالک معاصر اخبار **تیج** کی ایک خبر میں قواعدِ زبان کی غلطی پر مزاحیہ انداز میں یوں گرفت کرتے ہیں:

> "**تیج** نے اپنی اشاعت مؤرخہ ۲۱جولائی کے صفحہ۴ پر ایک خبر کے عنوان میں "فرزندان"کی جگہ " فرزندگان "لکھا ہے۔اس اخبار کے مدیر صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر چہ اس کے "خیریدارگان"میں "جاہلگان" کی تعداد زیادہ ہے لیکن ممکن ہے کچھ "سمجھگان " بھی ہوں لہذامدیر کو چاہیے کہ اپنے "متر جمگان" کو عقل و ہوش سے کام کرنے کی ہدایت دے۔"(۱)

سالک نے نہ صرف اپنے عہدے کے معاشرتی مسائل بل کہ ادبی فروگذاشتوں اور سیاسی مسائل پر بھی کالم لکھے۔قابل غور یات یہ ہے کہ ان کے کالموں میں طنز کی شدت اور زہر ناکی کم اور مزاح کی فراوانی ہے۔جو ان کے کالموں کو قابلِ اعتنا اورباعث فرحت بنادیتی

ہے۔سالک نے اپنی تحریروں میں طنزومزاح کے تمام حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔مزاح پیدا کرنے کے دیگر حربوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے لطائف وظرافت ، محاورات ،ضرب الامثال اور اشعار کے بر محل استعمال سے بھی مزاح پیدا کرنے کی سعی کی ہے۔

حاجی لق لق (۱۸۹۸۔۱۹۶۱ء)

حاجی لق لق کے مضامین میں طنز کا عنصر بہت کم اور مزاح غالب ہےعموماً کالم کے آخری سطور میں وہ افراد معاشرے کی کج روی پر لطیف طنز کر جاتے ہیں۔اس طنز میں بھی زہر ناکی کا عنصر بھی مفقود ہوتا ہے۔حاجی لق لق پرانے قصہ گو کی طرح کالم کا آغاز کسی قصے سے کرتے ہیں بعد ازاں اس قصے کو موجود حالات پر منطبق کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیتے ہیں۔ داستانوی انداز کے باعث کالم کے آغازہی سے قاری کی دل چسپی اور تجسس بڑھ جاتا ہے اور قاری پورا کالم یا مضمون پڑھے بغیر نہیں رہ پاتا۔شاید یہی داستانوی انداز تحریر تھا جس کی وجہ سے بڑے تو بڑے بچے بھی ان کا کالم شوق سے پڑھتے تھے۔

حاجی لق لق کے مضامین اور کالموں میںتقریباً ہر شعبہ ہائے زندگی سے متعلق مسائل کا ذکر اچھوتے انداز میں ملتا ہے۔حاجی لق لق نے سیاسی مسائل پر کم اور سماجی مسائل پر زیادہ لکھا ہے۔ان کی تحریریں بھی عوامی رنگ لیے ہوتی تھیں۔مضمون "لیڈر بن جاؤ" سے ایک مختصر اقتباس ملاحظہ ہو:

> " اگر آپ کو دنیا میں کوئی کام نہیں ملتا تو لیڈر بن جاؤ۔تجارت کرنے کے لیے سرمائے کی ضرورت ہے۔کھیتی باڑی کرنے کے لیے محنت کی ضرورت ہے اور نوکری کی توبات ہی چھوڑ دیجیے۔پہلے تعلیم کی ضرورت ہے پھر سفارش کی۔سفارش کے بغیر چپراسی کی نوکری بھی نہیں ملتی۔ہاں لیڈری سب سے آسان چیز ہے۔نہ سرمائے کی ضرورت نہ محنت کی نہ تعلیم کی نہ سفارش کی۔اور مزے ولایت پاس سے بھی زیادہ جدھر جاؤ عزت،"زندہ باد" کے نعرے ، جلسے جلوس ، مرغ پلاؤ۔ غرض مزے ہی مزے ہیں۔" (۲)

مجید لاہوری(۱۹۱۳۔۱۹۵۷)

مجید لاہوری نے اپنے کالموں میں عوامی مسائل کو زبان اور لہجے میں بیان کیا۔انھوں نے اپنے کالموں کو بھاری بھرکم صحافتی زبان اورعربی و فارسی تراکیب سے بوجھل نہیں ہونے دیا۔ ان کی توجہ زیادہ ترسیاسی معاملات ومسائل اوربے اعتدالیوں کی طرف رہی۔ ان کے کالم خاص

وعام میں مقبول تھے۔مجید لاہوری کے مزاحیہ کالموں کے رنگ ڈھنگ کا انداز ان کے کالم "جمہوری تقاضے" سے کیا جا سکتا ہے جس میں انھوں نے سیاست دانوں کی جوڑتوڑ ، جمہوریت کے نام پر مطلب براری،عوامی خدمت کے بلندو بانگ دعاوی اور قراردادوں پر خوب صورت انداز میں طنز کیا ہے :

> یہ دور "سلطانیِ جمہور" کا ان معنوں میں نہیں ہے کہ ہم ہر اس "نقشِ کہن" کو جو ہمیں نظر آتاہے مٹاسکیں لیکن یہ" جمہوری تقاضوں" کا دور ہے اور ہم لوگ مداری کے " بچے جمہورا" کی طرح "بچہ جمہورا" بن گئے ہیں۔ ہر بات جمہوری تقاضوں کی لیے ہوتی ہے۔ہر آدمی کی آواز " پبلک" کی آواز ہے۔
> -اگر ہم کسی جماعت سے نکلتے ہیں تو- --جمہوری تقاضوں کے لیے
> -ایک نئی جماعت بناتے تو---جمہوری تقاضوں کی لیے
> جب نئی جماعت نہیں چلتی تو پھر اسی جماعت میں آتے ہیں جس کو ہم کل تک برابھلا کہ رہے تھے توجمہوری تقاضوں کی لیے---
> دوسری طرف جمہور کی کیفیت یہ ہے کہ وہ جمہوری کم اور "منظور" زیادہ ہے۔(۳)

ا س کالم کے علاوہ دیگر متعدد کالموں مثلاً "راجا بھوج میں کے دربار میں"، "جمہوریت جندہ باد" ،"معزز ووٹران کے نام" ،"ون یونٹ اسمبلی"،"جمہوریت" ، "سیاسی یتیم خانہ " وغیرہ میں مجموعی قومی سیاسی صورت حال پر پُر لطف انداز میں بے لاگ تبصرہ یوں کیاہے کہ کسی ایک فرد کونشانہ بنانے کی بہ جائے مجموعی صورت حال پر طنز کیا ہے۔

چراغ حسن حسرت(۱۹۰۴۔۱۹۵۵ء)

حسرت کی طنزیہ ومزاحیہ تصانیف میں **جدید جغرافیہ پنجاب**، **زرنخ کے خطوط**، **مطائبات**، **مضامین حسرت**اور **حرف وحکایت** شامل ہیں۔ان تصانیف میں عصری سیاست، سیاسی جماعتوں اور سماجی صورت حال پر طنز کیا گیا ہے۔سند باد جہازی کے نام سے شائع ہونے والے کالموں کا ایک انتخاب "سید ضمیر جعفری" نے تاریخی اعتبار سے ترتیب دے کر "حرف وحکایت" ہی کے عنوان سے شائع کروایا ہے۔یہ انتخاب بھی حسرت کے مزاح کو سمجھنے میں معاونت کرتا ہے۔

حسرت شعراؤ ادبا کے زبان و بیان کی غلطیوں نیز غلط اشعارو مصارع اور غلط انتساب شعر پر بھی سخت گرفت کیا کرتے تھے۔ایک کالم میں غلط سلط تراکیب پر یوں طنز کرتے ہیں:

> "ایک صاحب جن کا شمار اردو کے نئے ادیبوں میں ہوتا ہے،اپنی ایک تازہ تصنیف میں "بفشہ کی جھاڑی" کا ذکر کیا ہے۔ہمارا خیال ہے کہ جس طرح اور غلط

سلط ترکیبیں اور بے معنی الفاظ رواج پا گئے ہیں ،اسی طرح"بنفشہ کی جھاڑی"کو بھی ایسا قبول حاصل ہو گا کہ ادب و شاعری کے سبزہ زارمیں بنفشہ کی جھاڑیاں ہی نظر آئیں گی۔بہ ہر حال بزرگ وار کی اطلاع لیے عرض ہے کی بنفشہ کی جھاڑی نہیں ہوتی ۔۔۔

ایک مشہور افسانہ نگار نے لکھا"تو نے میرے دل کو خس و خاشاک کر ڈالا۔" لوگوں نے تعجب سے پوچھا:"خس و خاشاک کر ڈالا"کیا ہوا ؟آپ کی مراد کہیں "خاک کر ڈالا"سے تو نہیں ؟انشا پرداز نے چلّا کر کہا: "میں تو اس موقع پر" خاک یا راکھ کے بہ جائے خس وخاشاک ہی لکھوں گا، آپ میرا جو کچھ بگاڑ سکتے ہیں، بگاڑ لیجیے۔"(۴)

ڈاکٹر وزیر آغانے عبدالمجید سالک اور چراغ حسن حسرت کو فکاہی کالم نویسی کی ذیل میں لکھنے والوں کے لیے مثال ومعیار قرار دیا ہے۔(۵)

شوکت تھانوی(۱۹۰۴۔۱۹۹۳ء)

شوکت تھانوی کی طبیعت میں شوخی ، بذلہ سنج اور حاضر جوابی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔بات سے بات نکالنے کا فن اور بات کا بتنگڑ بنانے کاہنر ان کی گھٹی میں پڑا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں بھی ان کے مزاج کا عکس پایا جاتا ہے۔شوکت تھانوی نے مزاح پیدا کرنے کے تمام حربوں سے کام لیا ہے۔لیکن ان کی تحریروں میں جا بہ جا لفظی مزاح کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں۔نیز فقرے بازی،شوخ چشمی، رعایت لفظی، ایہام اور بعض مواقع پر لطائف و ظرائف اور پھبتی کسنے سے بھی کام لیا ہے۔

شوکت تھانوی طویل عرصے تقریباً ۴۰ سال تک، مختلف اخبارات میں فکاہی کالم لکھتے رہے۔ان کالموں میں انھوں نےتقریباً ہر موضوع پر خامہ فر سائی کی۔بیش تر کالموں کا موضوع علم و ادب، سیاست و معاشرت اور اخلاقی پستی تھا۔مثلاً مضمون "شاہین بچے" میں نوجوان نسل اور ان کے والدین پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ والدین نے ان بچوں کو اتنے نازو نعم سے پالا ہے کہ وہ کسی بھی طرح کی مشقت کے قابل نہیں رہے:

" میرے یہاں خدا کے فضل سے تین شاہین بچے ہیں جو آپ کی دعا سے خاک بازی کی تعلیم حا صل کرنے میں شب و روز مصروف ہیں اور اگر سچ پوچھیے تو میں ان خدا وندان مکتب کا ممنونِ احسان ہوں کہ وہ ان شاہین بچوں کو یہی یقین دلائے ہوئے ہیں کہ وہ ممولے ہیں۔جس طرح اللہ آمین سے ان کو پروان چڑھا

کر مکتب جانے کے قابل بنایا گیا ہے اسی طرح مکتب بھی ان کے لیے بسم اللہ کا گنبد بنا ہوا ہے۔ جہاں ان کو خود اڑنا نہیں سیکھایا جاتا بلکہ پروں کی گیند اچھالنا سیکھایا جاتا ہے۔ چناں چہ یہ تینوں شاہین بچے جب سکول سے گھر آتے ہیں تو ایک جال تان کر دن چھپے تک بیڈ منٹن کھیلا کرتے ہیں اور پروں والی گیند ان کے درمیان اچھلا کرتی ہے۔ جب تمام شٹل کاک خراب ہو جاتے ہیں۔ تو ان شاہین بچوں کی ماں مجھ سے کہتی ہے کہ

پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

اور میں اسی دن ایک درجن شٹل کاک بازار جا کر خرید لاتا ہوں۔" (۶)

شوکت تھانوی کے مزاح کو گھریلو مزاح کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ انھوں نے روزمرہ کی گھریلو زندگی کے واقعات کو ایسے لطیف انداز میں پیش کیا ہے کہ قاری اداد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سعادت حسن منٹو (۱۹۱۲۔۱۹۵۵ء)

منٹو کی ظرافت نگاری میں چچا سام کے نام خط خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ کل نو خطوط ہیں جو کہ منٹو کے مجموعہ مضامین اوپر نیچے اور درمیان میں شام ہیں۔ ان خطوط میں منٹو نے معاشرتی اور سیاسی صورت حال پر مزاح کے پردے میں گہرا طنز کیا ہے اگرچہ طنز کا رنگ گہرا ہے لیکن اس میں مزاح کا عنصر بھی پایا جاتا ہے۔ منٹو نے اپنے مضامین میں خالص مزاح نگاری کے بھی جوہر دکھائے ہیں۔ مضمون "ناک کی قسمیں" میں لفظ ناک کی رعایت سے عمدہ مزاح تخلیق کیا ہے :

" نم ناک سے تو ہر ایک کو واسطہ پڑجاتا ہے۔ نزلے اور زکام کی حالت میں اچھی سے اچھی طرب ناک، نم ناک بن جاتی ہے کہ دیکھنے والوں کی اپنی ناک مارے وحشت کے وحشت ناک ہو جاتی ہے۔

ایسی ناک جسے دیکھ کر دل میں افسوس پیدا ہو کہ ہائے انسان کے چہرے پر ایسی ناک بھی ہو سکتی ہے۔ افسوس ناک کہلاتی ہے۔"(۷)

ابراہیم جلیس (۱۹۲۴۔۱۹۷۷ء)

ابراہیم جلیس کے مضامین میں خالص مزاح کی بھی عمدہ مثالیں مل جاتی ہیں اور طنز کی بھی۔ **پبلک سیفٹی ریزر** میں شامل مضمون "لپ سٹک ، ٹوتھ پیسٹ ، انگوٹھی ، جوتے وغیرہ" میں اخبارات ورسائل میں شائع ہونے والے اشتہارات کا خوب خاکہ اڑایا ہے اور سرمایہ دار انہ نظام نے عوام کو جن غیر حقیقی وغیر ضروری مقاصد پر لگا دیا ہے؛ اس پر کڑی تنقید کی ہے۔ اس نوعیت

کی مزاح نگاری جو فکر کے لیے مہمیز کا کام دے، ان کے ہم عصر مزاح نگاروں کے ہاں بہت کم پایا جاتا ہے۔ مذکور بالا مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"بے چاری ،مارگرٹ لاک وڈ!
لوگ اس کے دانتوں کی بد بو کے باعث اس سے دور بھاگتے تھے مگر اس نے ایک ڈاکٹر کے مشورے سے کالگیٹ ربن ڈینٹل کریم استعمال کرنا شروع کر دیا جس کے باعث آج اس کے اطراف اس کے دوستوں کا جمگھٹا لگا رہتا ہے۔
لیجیے! بورژواسماج میں ڈینٹل کریم دانت صاف کرنے کے لیے نہیں بلکہ اپنے گرد دوستوں کے جمگھٹے جمع کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ پونڈز کریم ا ور ایوننگ ان پیرس سینٹ چہرے کی چمک اور کپڑوں کی خوشبو کے لیے نہیں بلکہ لڑکیوں کو پھانسنے کے کام آتی ہے۔
انسان گویا فطرت کے تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا بلکہ راک فیلروں،ٹریڈ کمپنیوں، فیکٹریوں اور بنکوں کے لیے زندگی بسر کررہا ہے۔"(۸)

جسٹس ایم۔ آر۔ کیانی(۱۹۰۲۔۱۹۶۲ء)

جسٹس محمد رستم کیانی ایک شعلہ بیان مقرر اور نکتہ آفرین ادیب تھے۔ جسٹس کیانی نے اپنی شگفتہ تقاریر سے جو شہرت حاصل کی۔ وہ کسی اور مقر ر کے حصے میں نہیں آئی۔ جسٹس کیانی کے مزاح میں تفکر و تفلسف کی رنگ آمیزی پائی جاتی ہے۔ وہ زیرِ بحث مو ضوع میں نئے نکتے نکالتے نکالتے موضوعِ اصل سے بہت دور جا پڑتے ہیں۔ عام طور سے یہ آزادہ روی تقریر کے لیے موضوع نہیں سمجھی جاتی لیکن جسٹس کیا نی کے پُر لطف بیان کی وجہ سے قاری نہ صرف توجہ سے پڑھتے ہیں بل کہ اکتانے کی بہ جائے محظوظ ہوتے ہیں۔

جسٹس کیانی نے اردو تقاریر پر مشتمل صرف ایک کتاب یادگار چھوڑی ہے۔ جس کا نام افکارِ پریشاں ہے۔ یہ تقاریر انھوں نے مختلف مواقع پر مختلف نوعیت کی مجلسوں میں کی تھیں۔ یہ کل تیرہ تقاریر ہیں۔ بیش تر تقاریر ادبی نوعیت کی ہیں تاہم کچھ معاشرتی و سیاسی اور الوداعیہ وافتتاحیہ نوعیت کی ہیں۔ اس مختصر ذخیرۂ مضامین نے ہی جسٹس کیانی کو اردو نثری طنزومزاح میں ایک نمایاں اور ممتاز مقام عطا کر دیا ہے۔ جسٹس کیانی نے جس زمانے میں یہ تقاریر کیں وہ ایوب خان کے مارشل لا کا زمانہ تھا۔ زبانوں پر پابندیاں عائد تھیں۔ جسٹس کیانی نے اپنی تقریروں میں زیادہ تر ملکی سیاسی مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔

محمد خالد اختر(۱۹۲۰۔۲۰۰۲ء)

محمد خالد اختر کو بچپن سے ہی مطالعے بالخصوص انگریزی ادب پڑھنے کا لپکا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں پر بہ راہ راست انگریزی ادب کے مطالعے کے اثرات دیکھے جاسکتے ہیں۔ خالد اختر کی تحریروں میں مزاح کم اور طنز زیادہ ہے مگر بیش تر مقامات پر طنز میں تیزی کم اور شگفتگی زیادہ ہے۔وہ اپنے طنز میں معاشرے کے افراد کے منافقانہ رویے اور ان کی کج روی کو نشانہ بناتے ہیں۔

"چچا عبدالباقی اور بھتیجے بختیار خلجی" کی کہانیوں کے ذریعے خالد اختر نے ہمارے معاشرےخصوصاً کراچی کے کاروباری طبقے کو موضوع بنایا ہے کہ وہ کس طرح سے سادہ لوح افراد کو اپنے دام فریب میں لا کر لوٹ لیتے ہیں۔خالد اختر کی خالص مزاح نگاری کے حوالے سے چچا عبدالباقی کی کہانیاں بہت اہم ہیں۔ان کہانیو ں کو پڑھ کر اور چچا عبدالباقی اور بھتیجے بختیار خلجی کی سادہ لوحی اور بے وقوف بننے کے واقعات پڑھ کر طبیعت بشاش ہوجاتی ہے۔عبدالباقی کا کردار اردو کے مزاحیہ کرداروں میں ایک اہم اضافہ ہے۔عبدالباقی کا کردار ایک متحرک اور جان دار کردار ہے۔یہ کردار محض لفظی بازی گری یا ضلع جگت کی بہ جائے اپنی حماقتوں کے باعث مزاح کا سبب بنتا ہے۔یوں کہا جا سکتا ہے کہ عبدالباقی اپنی احمقانہ حرکات سے ایسی فضا بناتا ہے جو مزاح کا باعث بنتی ہے۔

خالد اختر کے طنزومزاح کے ضمن میں ان کے فینٹسی ناول بھی اہم ہیں۔ناول بیس سو گیارہ میں پاکستانی اور ہندوستانی حکومتوں کے طرزِ حکم رانی پر طنز کیا گیا ہے۔خالد اختر کا دوسرا ناول چاکی واڑہ میں وصال طنز و مزاح دونوں کے لحاظ سے اہم ہے۔اس ناول میں مصنف نے جگہ جگہ پس ماندہ علاقوں کے مکینوں کی جہالت،توہم پرستی،ضعیف الاعتقادی ، جھوٹ اور مکروفریب کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔مثلاًڈاکٹر کا ذکر آتا ہے تو جعلی ڈاکٹروں اوراتائیوں اور سادہ لوح اورجاہل عوام پر ڈاکٹر غریب محمد کے پردے میں یوں طنز کرتے ہیں:

> "ڈاکٹر غریب محمد ، وی-جی-ایم -او-ٹی
> ماہر امراض خصوصی زنانہ و مردانہ
> یہاں امراض روحانی کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔
> کبھی کسی نے تفتیش کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ یہ وی-جی-ایم-او-ٹی کیا ہے۔اب بھی چاکی واڑہ میں بہت تھوڑے جانتے ہیں کہ آیا ڈاکٹر غریب محمد ایک

سند یافتہ اور کوالیفائیڈ ڈاکٹر بھی ہے۔چاکی واڑہ ایک حقیقی خود مختار سلطنت ہے اور ہر ایک کی اپنی مرضی ہے کہ جو اپنے آپ کو لکھنے لگے۔....ڈاکٹر نے کئی بار اقرار کیا کہ وہ اپنی چھپکلیوں اور مینڈکوں سے علاج کرنے میں زیادہ اعتماد محسوس کرتا ہے۔بہ نسبت ان نئی پیٹنٹ دواؤں سے۔....

ڈاکٹر غریب محمد چاکی واڑہ کے کئی گھروں میں عزرائیل کا پیش رو بن کر جا چکا تھا، اس کے باوجود چاکی واڑہ والوں کو اس پر ایک بچوں جیسا عقیدہ تھا۔" (۹)

خالد اختر کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ وہ ایک ہی لپیٹ میں بہت سے موضوعات، اشخاص یا عوامل کو اپنی طنز کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔درج بالا عبارت میں مصنف نے اتائیوں، مریضوں، مریضوں کے لواحقین ، ملکی انتظامات اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سب کو اپنی طنز کے زمرے میں لے آتے ہیں۔

خالد اختر نے معروف ادیبوں کے طرزِ تحریر کی تحریف مضحک(Parody)کے تجربے بھی کیے ہیں جس میں خطوط غالب کی پیروڈی بھی شامل ہے۔خالد اختر نے اپنے پیش رو مزاح نگاروں کی طرح غالب کے خطوط کی پیروڈی میں مختلف سیاسی ، سماجی اور ادبی زعما کو فرضی خطوط لکھے ہیں۔ان خطوط میں خالد اختر نام ور سیاسی و سماجی اور ادبی شخصیات کو ان کی کج روی،نالائقی اور نااہلی سے واقف کرواتے ہیں۔مکاتیب خضر کو ڈاکٹر رؤف پاریکھ خطوط غالب کی تحریف کے ضمن میں کام یاب کوشش تصور کیا ہے۔(۱۰) یہ فرضی خطوط خالد اختر جس شخص کے نام لکھتے ہیں اولاً اس کی مدح میں غلو کرتے ہیں۔ثانیاً اس کی خامیوں کا اس تفصیل سے ذکر کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن میں ابتداً اس شخصیت کا جو تاثر قائم ہوا ہوتا ہے وہ رفتہ رفتہ زائل ہوتا چلا جاتا ہے۔

شفیق الرحمن(۱۹۲۰۔۲۰۰۰ء)

اردو ادب میں شفیق الرحمن کا ورود رومانوی افسانہ نگار کی حیثیت سے ہوا لیکن انھیں زیادہ کام یابی طنزومزاح کے میدان میں حاصل ہوئی۔ان کے ابتدائی افسانوں میں بھی مزاح کی چاشنی دیکھی جا سکتی ہے جب کہ ان کی مزاحیہ تصانیف میں مزاح کے ساتھ ساتھ رومانوی عناصر بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔شفیق الرحمن کے افسانوی مجموعوں میں صرف افسانے نہیں بل کہ لطیف مضامین،انشائیے،پیروڈیز اور سفر نامے سبھی شامل ہیں۔

شفیق الرحمن کی تحریروں کے مطالعے سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ایک فطری مزاح نگار ہیں جنھیں مزاح پیدا کرنے کی غرض سے ایک باوقار سطح سے نیچے آنے کی ضرورت نہیں

پڑتی۔ وہ افراد معاشرہ اور معاشرے کے ناہم وار زاویوں کو محسوس کرتے ہوئے ان زاویوں کو نمایاں کرتے چلے جاتے ہیں۔ بعض ناقدین کی یہ رائے ہے کہ شفیق الرحمن صرف نوجوانوں میں مقبول ہیں۔ یہ بات شفیق الرحمٰن کے افسانوں کی بابت کسی تک درست ہو سکتی ہے لیکن جہاں تک ان کے انشائیوں اور بہ طور خاص تحریفات مثلاً "قصہ حاتم طائی بے تصویر"، "قصہ چہار درویش"، "سفر نامہ جہاز باد سندھی کا" وغیرہ کا تعلق ہے؛ یہ ایسی تحریریں ہیں جو نہ صرف اعلیٰ درجے کی تحریریں ہیں بل کہ ہر عمر کے قارئین انھیں شوق اور دل چسپی سے پڑھتے ہیں۔ ان تحریفات کو ڈاکٹر وزیر آغا نے یوں خراج تحسین پیش کیا ہے:

> "شفیق الرحمن نے بعض نہایت خوب صورت اوراعلیٰ معیار کی تحریفات بھی لکھی ہیں جو اردو ادب میں سدازندہ رہیں گی۔"(۱۱)

"قصہ حاتم طائی بے تصویر" کا ابتدائیہ تحریف کی عمدہ مثال ہے جس میں شفیق الرحمٰن نے قدیم داستان گوئی کا چربہ اتارا ہے:

> "اے صاحبو! داستان گو یوں بیان کرتا ہے کہ افواہ ہے کہ کسی زمانے میں کسی جگہ کوئی بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر روز صبح نو بجے اپنے سامنے شیروں اور بکریوں کو ایک گھاٹ پر پانی پلاتا تھا۔ اس کا لڑکا طائی تھا اور وہ اس قدر حاتم تھا کہ سب اسے حاتم طائی کہتے تھے۔ بعض اوقات لوگ غلطی سے اسے حاتم تائی بھی کہ بیٹھتے تھے۔(۱۲)

کرنل محمد خاں(۱۹۲۰۔۱۹۹۹ء)

کرنل محمد خاں ان ممتاز و خوش نصیب مزاح نگاروں میں شمار ہوتے ہیں جنھیں ان کی پہلی تصنیف **بجنگ آمد** ہی نے انھیں شہرت کے بام پر پہنچا دیا۔ یہ تصنیف مصنف کے سیکنڈ لیفٹیننٹ بننے ۱۹۴۰ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک کی فوجی زندگی کا احاطہ کرتی ہے۔ بجنگ آمد آپ بیتی، جگ بیتی اور سفر نامے کا مرکب ہے۔ کرنل محمد خاں فوجی زندگی کی بے حد سنجیدہ اور روکھے پھیکے واقعات میں بھی مزاح کے پہلو تلاش کر لیتے ہیں۔ ان کے ہاں مزاح وافر مقدار میں جب کہ طنز نہ ہونے کے برابر ہے، البتہ **بسلامت روی** میں طنز آمیز بیان کی مقدار نہ صرف زیادہ ہے بل کہ طنز کی کاٹ بھی گہری ہے۔ اس تصنیف میں مصنف بہ ظاہر پاکستانی معاشرت اور برطانوی معاشرت کا تقابل کرتا ہے لیکن اصلاً ہمارے قومی رویوں اور خصلتوں پر گہرا نز کرتا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ ہو جس میں مصنف ریل گاڑی میں

مانچسٹر کا سفر کرتے ہوئے پاکستانی طرزِ زندگی اور اخلاقیات کا انگریزی معاشرت اور اخلاقیات سے موازنہ کرتے ہوئے پاکستانیوں کی دوسروں کے معاملات میں بے جا مداخلت کو طنز کا نشانہ بناتے ہیں:

> "نہ ہوا وہ پاکستانی ریل کا ڈبا اور کوئی پنجاب کا سٹیشن کہ اجنبی داخل ہوتے ہی بالجہر السلام علیکم کہتا اور جملہ حاضرین باجماعت وعلیکم السلام سے جواب دیتے۔پھر ایک کہتا:" جی آیاں نوں "
> دوسرا پوچھتا:"خیر نال کتھوں آئے او ؟"
> تیسرا کہتا:" چکوال توں؟ فیر تے آپنے وطنی او۔...."
> انگریزی گاڑیوں اورخصوصاً اس کے فسٹ کلاس ڈبوں کے مسافر تو کسی ایسے مُردے کے سوگ وار لگتے ہیں جس کا تابوت بریک میں جارہا ہو۔یہی تابوت یہ لوگ سینما میں بھی لے جاتے ہیں۔....کہاں ہوتا اپنا بھاٹی گیٹ کا سینما کہ ادھر ہیروئین کو ہیرو ذرا نگاہ شوق سے دیکھتا اور ادھر سیٹیوں کا آرکسٹرا گونج اٹھا اور پھر ہال کے کونے کونے سے جہاں سوز آہوں کا دھواں بلند ہوتا اور گریبان چاک ہونے لگتے۔انگریزی زندگی ایسے ہنگاموں سے محروم ہے۔"(۱۳)

کرنل محمد خاں کے ہاں بعض مقامات پر عمدہ نفسیاتی حقیقت آرائی کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ **بجنگ آمد** میں کہیں کہیں فلسفیانہ موشگافیاں بھی ملتی ہیں۔بعض مقامات پر مبالغہ آمیزی سے بھی خوب مزاح پیدا کیا ہے۔

مشتاق احمد یوسفی(۱۹۲۳۔۲۰۱۸ء)

مشتاق احمد یوسفی نے اردو مزاح کو حقیقی معنوں میں سنجیدگی، علمیت اور فکر انگیزی سے آشنا کیا۔قاری کو یہ بتایا کہ مزاحیہ ادب محض ہنسے ہنسانے کی چیز نہیں بل کہ اس کا شمار بھی ادب عالیہ میں ہوسکتاہے اور مزاح کے ذریعے اصلاح معاشرہ اور سماجی بیداری کا کام بھی لیا جاسکتا ہے۔انھوں نے ملکی اور بین الاقوامی معاشرتی، معاشی اور سیاسی صورت حال کانہایت باریک بینی سے جائزہ لیا اور طنزومزاح کا سہارا لے کر ان خرابیوں کی نشان دہی کی جو معاشرہ اور افرادِمعاشرہ کے لیے ناسور بنتی جارہی تھیں۔اس نشان دہی کے سبب قاری ایک دفعہ ہی سہی ان خرابیوں کی اصلاح پر غور کرتا ہے۔

اردو طنزومزاح کی روایت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ جن موضوعات کو بیش تر مزاح نگاروں نے اپنا موضوع بنایا ان میں سرفہرست معاشرتی اور تہذیبی بگاڑ اور سیاسی بوالعجبیاں ہیں۔یوسفی کے ہاں بھی غالب موضوعات یہی ہیں۔یوسفی کا مزاح عمیق سماجی وثقافتی

مطالعہ اور روایات کی پہچان اور پرکھ سے ابھرا ہے۔وہ اپنے عہد کے افراداور معاشرے پر بھی گہری نگاہ رکھتے تھے۔ان میں پائی جانے والی کمیوں، کجیوں اور خامیوں کو بعض اوقات بلا کم وکاست اور بعض دفعہ مبالغے کے ساتھ پیش کر دیتے تھے۔

یوسفی کی تحریروں میں جہاں خالص مزاح نگاری کے بے شمار ایسے نمونے ملتے ہیں جن کو پڑھ کر ہنسی روکے نہیں رکتی۔وہیں کٹیلا طنز بھی دیکھنے میں آتا ہے۔تاہم اس طنز میں دردمندی کی کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔یوسفی کا یہ کمال ہے کہ وہ ایک ہی جملے میں متعدد رجحانات اور مسائل پر طنز کر جاتے ہیں۔**چراغ تلے** میں شامل مضمون "جنون لطیفہ" سے ایک مختصر اقتباس ملاحظہ ہو:

> "کہنے لگے:"خانساماں وانساماں غائب نہیں ہو رہے، بلکہ غائب ہو رہا ہے، وہ ستر قسم کے پلاؤ کھانے والا طبقہ جو بٹلر اور خانساماں رکھتا تھا اور اڑد کی دال بھی ڈنر جیکٹ پہن کر کھاتا تھا۔اب اس وضع دار طبقے کے افراد باورچی نوکر رکھنے کے بجائے نکاح ثانی کر لیتے ہیں۔اس لیے کہ گیا گزرا باورچی بھی روٹی کپڑا اور تنخواہ مانگتا ہے۔جب کہ منکوحہ فقط روٹی کپڑے پر ہی راضی ہو جاتی ہے۔بلکہ اکثر و بیش تر کھانے اور پکانے کے برتن بھی ساتھ لاتی ہے۔"(۱۴)

درج بالا عبارت میں جہاں انگریزوں پر طنز کیا گیا ہے کہ وہ ملازموں کا ایک جم غفیر رکھتے تھے اور برعظیم پاکستان و ہند کے عوام کا استحصال کیا کرتے اورنوابی ٹھاٹھ دکھایا کرتے تھے وہیں معاشرے میں خواتین کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک پر طنز کیا ہے کہ جب لڑکی بیاہ کر لائی جاتی ہے تو اسے بہو یا بیوی کم اور نوکرانی زیادہ سمجھا جاتا ہے۔ساتھ ہی جہیز کی قبیح رسم پر بھی طنز ہے۔

یوسفی نے **زرگزشت** اور **آب گم** میں بعض مواقع پر غربت و افلاس اور کچی آبادیوں کی جو منظر کشی کی ہے وہ 'بلیک ہیومر' کے زمرے میں آتی ہے۔اس نقشہ کشی سے اس طبقے کے افراد سے ان کی وابستگی اور ہم دردی کا علم ہوتا ہے۔آب گم میں مولانا کرامت حسین کے ذکر میں پس ماندہ علاقوں میں خط ناداری سے بھی نیچے جھگیوں میں زندگی بسر کرنے والوں کا نقشہ کس قدر بھیانک اور لرزاں خیز ہے۔(۱۵)

یوسفی کی تحریروں میں علم ودانش سے مملو جملے، جنھیں سچے موتیوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے، اردو ادب میں نہایت اہمیت کی حامل ہیں۔ان جملوں میں یوسفی کے تجربات سے ساتھ ساتھ بصارت و بصیرت اور عالم گیر سچائیوں کو یک جا کر دیا ہے۔مزاح پارے کو عام طور پر وقت گزاری کے لیے پڑھی جاتی ہے لیکن یوسفی کی تحریروں کو نظر جما کر اور دل لگا کر پڑھنا پڑتا ہے

ورنہ بہت سے اہم نکتے نظر سے اوجھل ہی رہتے ہیں۔ حنا کم بدہن کے مضمون 'بائی فوکل کلب' سے ایک مثال ملاحظہ ہو:

> "انسان کی کوئی محرومی خالی از حکمت نہیں۔ جیسے جیسے کچھ درد بقدر ہماری تاب و تحمل کے ہمیں عطا ہوتا ہے، قلب بصیرتوں سے گداز ہوتے چلے جاتے ہیں۔ انسان جب چشم و گوش کا محتاج نہ رہے اور اسے اٹکل سے زندگی گزارنے کا ہنر آ جائے تو صحیح معنوں میں نظم و ضبط کا آغاز ہوتا ہے۔" (۱۶)

یوسفی کی مزاح نگاری میں لفظوں کی نشست و برخاست کی اہمیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ان کے ضرب المثل جملوں میں سے بعض مخصوص الفاظ نکال دیے جائیں تو جملہ تو بامعنی رہے گا لیکن مزاح کا عنصر ختم ہو جائے گا۔ چراغ تلے کے مضمون 'یادش بخیریا' کا ایک جملہ ملاحظہ ہو:

> "سامنے دیوار پر آغا کی ربع صدی پرانی تصویر آویزاں تھی۔ جس میں وہ سیاہ گاؤن پہنے، ڈگری ہاتھ میں لیے، یونیورسٹی پر مسکرا رہے تھے۔"(۱۷)

اس جملے میں سے اگر 'یونیورسٹی پر' کے الفاظ نکال دیے جائیں تو طنزومزاح کا عنصر یک سر مفقود ہو جائے گا۔

مشتاق احمد یوسفی نے تخلیق مزاح میں تحریفِ لفظی سے بھی خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ کلام منظوم کے علاوہ منثور ٹکڑوں کی بھی عمدہ تحریف کی ہے۔ علاوہ ازیں جس خلاقی سے تراکیب اور محاورات کی تحریف کی ہے، وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ مثلاً 'بے اختیار اُن کا سر پیٹنے کو چاہا'، 'ایسا شور غُل تھا کہ کان پڑی گالی سنائی نہیں دیتی تھی۔'، 'جتنے منھ اتنے بہتان' وغیرہ۔

ابن انشاء(۱۹۲۷۔۱۹۷۸ء)

ابن انشاء کی شگفتہ نثری تصانیف کو بہ آسانی درج ذیل دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے: ا) اخباری کالم (شگفتہ سفر نامے)، ب) مزاحیہ مضامین۔

سفر ناموں میں **چلتے ہو تو چین کو چلیے**، **آوارہ گرد کی ڈائری**، **دنیا گول ہے** اور **ابن بطوطہ کے تعاقب میں** شامل ہیں۔ جب کہ مزاحیہ مضامین کے دو مجموعے **اردو کی آخری کتاب** اور **خمار گندم** ہیں۔ ابن انشاء کے کالم، اخباری کالموں کے برعکس ایک مستقل ادبی حیثیت کے حامل ہیں۔ انھوں نے سیر کی غرض سے سفر نہیں کیے۔ ان کے یہ اسفار دراصل ان کے سرکاری دورے ہوا کرتے تھے۔ اس لیے دورانِ سفر زیادہ تر مقامات پر مختصر قیام کیا ہے لیکن اس مختصر قیام کے دوران انھیں

ان کی قوت مشاہدہ بہت مدد دیتی ہے۔ بعض اوقات ابن انشاء جس ملک کا سفر اختیار کرتے وہاں کے رسم ورواج، معاشرت اور افرادِ معاشرہ کا پاکستانی رسم ورواج اور پاکستانیوں سے تقابل کرکے نہ صرف مزاح پیدا کرتے تھے بل کہ اس مزاح میں پیش تر اوقات طنز کی کیفیت بھی ملتی ہے۔ ایسے میں ان کا مشاہدہ لائق تحسین ہوتا ہے۔ **ابن بطوطہ کے تعاقب میں** جاپانیوں کی تحفہ دینے دلانے کی رسم کا ذکر کرتے ہوئے پاکستان میں جاری رشوت خوری پر یوں طنز کرتے ہیں:

> "تحفے دینے دلانے کی رسم ہمارے ہاں بھی ہے اور پرانی ہے۔ کسی کے ہاں گئے تو لڈو لیتے گئے۔ اس سے تعلقات میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے اور ازاں بعد آپ جب تک چاہیں مہمان ٹھہر سکتے ہیں۔.... کسی بچے کا ہاتھ میں نقد بھی تھمانے کا رواج ہے۔ کبھی کبھی بڑوں کے ہاتھ میں بھی نقد تھمانے کا موقع آتا ہے خصوصاً جب کہ وہ کوئی اہل کار ہو اور اس سے کوئی کام اٹکا ہوا ہو۔ بعض لوگ اسے کچھ اور نام بھی دیتے ہیں۔ لیکن میاں آزاد! لوگوں کی زبان نہیں پکڑی جاسکتی۔"(۱۸)

ابن انشاء ظرافت کے ایک اہم حربے، بات سے بات نکالنے کا فن خوب جانتے ہیں اور ان کے سفر ناموں میں ایسی بہت سی مثالیں مل جاتی ہیں جہاں وہ قرینے سے ایک بات سے دوسری بات شروع کردیتے ہیں اور اس میں نکتہ آفرینی کرتے ہوئے طنزومزاح کے تیر چلاتے جاتے ہیں۔ ایسے میں وہ خود پر بھی طنز کرنے سے نہیں چوکتے۔

ابن انشاء کی مادری زبان اردو نہیں تھی لیکن اپنی تحریروں میں انھوں نے جس طرح کی زبان لکھی ہے۔ اسے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ جیسے انھوں نے اپنی نانیوں دادیوں سے اردو زبان سیکھی بالخصوص محاورات سننے اور یاد کیے ہیں۔

صدیق سالک(۱۹۳۵۔۱۹۸۸ء)

صدیق سالک کی دو تصانیف **ہمہ یاراں دوزخ** اور **تادم تحریر** طنز و مزاح کے حوالے سے اہم ہیں۔ **ہمہ یاراں** دوزخ کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کے لبوں پر کبھی مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے تو کبھی آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی ہے۔ یہی وجہ سے ہے کہ رؤف پاریکھ نے اس تصنیف کو غالب کے مزاح کے مماثل قرار دیا ہے۔(۱۹)

ہمہ یاراں دوزخ میں طنز کم اور مزاح زیادہ ہے۔ اس مزاح کو بھی اگر شگفتگی کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ جب کہ **تادم تحریر** میں طنز کا عنصر غالب ہے۔ بہ طور خاص جب مصنف اپنے سفرنامچوں میں وطن عزیز کا تقابل دیگر یورپی ممالک سے کرتا ہے تو اس کا لہجے میں

تلخی بھی درآتی ہے۔ **تادم تحریر** میں پاکستانی معاشرت بالخصوص پاکستانی سیاست پر گہرا طنز ملتا ہے۔ **تادم تحریر** کے پہلے باب میں پاکستانی سیاست، جمہوریت، آئین اور مارشل لا سے متعلق مضامین ملتے ہیں۔ان مضامین میں ملکی معاشرتی اور سیاسی صورتِ حال پر گہرا طنز ملتا ہے۔مثلاً مضمون "اسلامی جمہوریہ پاکستان" میں پاکستانی جغرافیے کے خدوخال واضح کرتے ہوئے پاکستانی حکم رانوں کی غلط پالیسیوں اور عوامی بے حسی پر یوں طنز کرتے ہیں:

> "پاکستان بنیادی طور پر ایک زرعی ملک ہے جہاں پہلے وافر مقدار میں اشیائے خوردنی پیدا ہوتی تھیں۔ اب بہ کثرت انسان پیدا ہوتے ہیں جو دساور کو بھیجے جائے ہیں اور زرعی اجناس سے زر مبادلہ کماتے ہیں۔آبادی کی برآمد سے ہمارے دیہات بہت پر سکون ہو گئے ہیں۔اب وہاں عموماً بوڑھے والدین اور معصوم بچے بستے ہیں جو ہر وقت اس انتظار میں رہتے ہیں کہ دوبئ سے کب رنگین ٹیلی ویژن، امریکی کمبل یاجاپانی گڑیا آئے گی۔ایک فرد کے بدلے ڈھیروں غیر ملکی اشیا۔اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ ہمارے ملک کا ایک ایک شخص ریالوں میں تولنے کے لائق ہے۔
>
> یہاں معدنیات بھی پائی جاتی ہیں جن میں سے اکثر تاحال روپوش ہیں خفیہ معدنیات میں تیل اور جذبہ محنت سر فہرست ہیں۔"(۲۰)

عطاءالحق قاسمی(پ۱۹۴۳ء)

اردو ادب میں عطاءالحق قاسمی کا ظہور بہ حیثیت مزاحیہ کالم نگار ہوا۔بعدازاں انھوں نے خود کو کالم نگاری تک محدود نہیں رکھااور مختلف اصناف ادب مثلاً شاعری، سفر نامہ نگاری، ڈرامانویسی اور خاکہ نگاری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ماسوا شاعری کے بقیہ تمام تحریروں میں مزاح کی چاشنی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔اگرچہ ان کا بنیادی حوالہ اب بھی کالم نگاری ہی ہے۔

عطاءالحق قاسمی نے اپنابا قاعدہ قلمی سفر کالم نگاری سے کیا۔اخباری کالموں کی عمر بالعموم ایک روز سے زیادہ نہیں ہوتی اروا حوال بدل جانے سے وہ بے اثر اور غیر اہم بھی ہو جاتے ہیں لیکن انھوں نے صحافیانہ کالم نگاری کو ایک ادبی شے بنا دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ عطاءالحق قاسمی کے کالموں کے مجموعے متعدد بار شائع ہوکر قارئین سے دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں اورمعاشرتی احوال بدل جانے کے بعد بھی قاری کی ان کالموں میں دل چسپی کم نہیں ہوئی۔

عطاءالحق قاسمی نے اپنے کالموں میں سیاست دانوں کی منافقت اور مکروہ چہرے بے نقاب کرنے کی سعی کی ہے۔اس سعی میں ان کا رویہ عموماً شگفتہ اور نوکیلے طنزیہ جملوں سے پاک رہتا ہے۔

اگرچہ کہیں کہیں ان کا لہجہ تلخ بھی ہو جاتا ہے۔سیاست دانوں کے علاوہ دیگر تمام انسانوں کی کجیوں اور کم زوریوں کو بھی انھوں نے موضوع بنایا ہے لیکن لہجہ شگفتہ اور ہم درد انہ ہی رکھا ہے۔

عطاءالحق قاسمی عام طور پر روز مرہ زندگی کے عام سے واقعات بالخصوص اخباری خبروں سے اپنے کالم کا آغاز کرتے ہیں، پھر بات سے بات نکالتے جاتے ہیں اور بالآخر قاری کو ایک حیران کن نتیجے پر پہنچا کر چھوڑ دیتے ہیں۔بعض اوقات کالم کا آغاز کسی لطیفے یا واقعے سے کرتے ہیں اور پھر موجود سیاسی حالات اور شخصیات کے ساتھ اس طور منسلک کرتے ہیں کہ قاری اس تشبیہی انداز پر جہاں لطف اندوز ہوتا ہے،وہاں حیران بھی رہ جاتا ہے۔

پیرو ڈی فن مزاح نگاری کا ایک مؤثر اور مقبول حربہ ہے۔اردو کے تقریباً تمام مزاح نگاری نے اس حربے کو استعمال کیا ہے۔عطاءالحق قاسمی بھی اس سے مبرا نہیں۔خاص طور پر ان کا ایک طویل مضمون"ایک غیر ملکی سیاح کا سفر نامہ لاہور"سفر نامہ نگاری کی عمدہ تحریف ہے۔اس مضمون کے ذریعے انھوں نے پاکستانیوں بالخصوص لاہوریوں کے عادات و خصائل ،رسم و رواج اور معاشرتی احوال پر عمدہ پیرائے میں طنز کیا ہے۔

مصنف کا چوں کہ عمر کا ایک بڑا حصہ لاہور میں بسر ہوا۔اس لیے مصنف کے زبان وبیان پر لاہور لہجے اور ذخیرہ الفاظ کا بڑا اثر ہوا ہے۔نیز لاہور کے معاملات و مسائل اور تہذیب وتمدن کے تاریک گوشوں سے کماحقہ واقف ہوئے۔اور ان مسائل کو اپنے کالموں کا موضوع بنایا۔لاہور کا ذکر آتے ہی مصنف کا قلم رواں ہو جاتا ہے۔

عہدِ موجود کے اہم مزاح نگاروں میں ڈاکٹر رؤف پاریکھ، ڈاکٹر یونس بٹ، ڈاکٹر وحیدالرحمن خان، ڈاکٹر اشفاق احمد ورک کے نام قابل ذکر ہیں۔یونس بٹ کے علاوہ باقی مزاح نگاروں میں ایک بات یہ مشترک ہے کہ یہ سب تدریس سے وابستہ اور مزاح کے ناقدوپارکھ بھی ہیں اور تمام نے سندی تحقیق کے لیے طنزومزاح ہی کا میدان منتخب کیا۔

ڈاکٹر رؤف پاریکھ کا اب بنیادی تعارف ماہر لسانیات ولغات بن چکا ہے لیکن ان کی تصنیف ہوائیاں بھی طنزومزاح نگاری کے حوالے سے اہم مجموعہ مضامین ہے۔اس مجموعے میں انھوں نے ان معاشرتی خرابیوں کا ذکر کیا ہے جومعاشرہ اور افراد معاشرہ کے لیے ضرر کا باعث بن رہے ہیں۔علاوہ ازیں چند مضامین میں بعض ادبی مسائل اور رویوں پر بھی طنز کیا ہے لیکن یہ طنز کٹیلا نہیں بل کہ شگفتگی لیے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر یونس بٹ کا شمار کثیر التصانیف مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ اپنی ابتدائی تصانیف سے اپنی ایک الگ شناخت بنانے میں کام یاب ہوگئے تھے لیکن جلد ہی وہ افراط و تفریط کا شکار ہوگئے۔ زودِ نویسی نے ان کے فن کو بری طرح مجروح کیا۔ اسلوب کی یکسانیت اور سپاٹ پن کی وجہ سے قاری جلد اکتا جاتا ہے۔ دورِ حاضر میں لفظی بازی گری خاص طور سے رعایت لفظی اور تحریف لفظی سے سب سے زیادہ کام یونس بٹ نے لیا ہے۔ بیش تر مواقع پر وہ ان حربوں سے مزاح پیدا کرنے میں کام یاب بھی ہوئے ہیں لیکن بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ ان کی ساری کوشش رائیگاں گئی ہے۔ اسی طرح ان کی شوخی بھی اکثر اوقات گستاخی کی حد میں داخل ہو جاتی ہے۔

اشفاق احمد ورک کا شمار بھی دور حاضر کے نمایاں مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کے ہاں سیاسی و معاشرتی مسائل پر ایک متوازن اور سنبھلا ہوا طنز ملتا ہے۔ البتہ ان کے مزاحیہ خاکوں میں ہم چشموں کے علاوہ ہم عصر بزرگوں سے بھی چھیڑ چھاڑ کا انداز پایا جاتا ہے۔ اشفاق ورک کی تحریروں میں ذکاوت اور مطالعۂ ادب کی چاشنی مزاح کا لطف دوبالا کر دیتی ہے۔

ڈاکٹر وحید الرحمن خان موجودہ دور کے اہم مزاح نگاروں میں شامل ہیں۔ تقریباً ہر مضمون کو کہانی کے انداز میں شروع کرتے ہیں، پھر تحریفات اور مضحک کرداروں کے ذریعے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تحریروں میں اشعار کا استعمال بڑی خوب صورتی سے کیا ہے۔ تحریف اشعار کی بھی عمدہ صورتیں ملتی ہیں۔ ان کا مزاح شستہ بھی ہے اور شگفتہ بھی۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو قیام پاکستان کے بعد اردو طنز و مزاح کا معیار کے اعتبار سے وقیع تر سرمایہ منظرِ عام پر آیا۔ اگرچہ اس دور میں بھی درجہ اول کے مزاح نگاروں کی تعداد بہت کم ہے تاہم مشتاق احمد یوسفی، ابن انشاء، کرنل محمد خاں، نے اس صنف کو اعتبار بخشا اور ایسی تصنیفات پیش کیں جن کی حیثیت دائمی ہے۔ ان مزاح نگاروں نے اپنے تخلیقی اپج، مطالعے، دراکی و تیز فہمی اور مستقل غور و فکر سے طنز و مزاح کو بھی پایندہ ادبی سرمایے کے مقام و مرتبے تک پہنچا دیا۔ مشتاق احمد یوسفی نے **زرگزشت** اور **آب گم** کی صورت میں اور کرنل محمد خاں نے **بجنگ آمد** اور **بسلامت روی** کی صورت میں طویل و بسیط کتب تصنیف کرکے یہ ثابت کر دکھایا کہ نثری طنز و مزاح میں مضامین کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی مستقل اور مفصل کتب تصنیف کی سکتی ہیں۔ بہ طورِ خاص یوسفی نے اپنے مخصوص رنگ میں جس میں تفکر و تفلسف کو خاص اہمیت حاصل ہے؛ جس طرح کا مزاح لکھا اس کی تقلید ناممکن ہے۔

قیام پاکستان کے بعد اردو نثری طنزومزاح نے جس طرح کا عروج حاصل کیابیسویں صدی کی آخری دہائی سے تاحال اس درجے کامزاح دیکھنے میں نہیں آیا۔نئے مزاح نگار وں نے کوئی ایسا قابل ذکر مزاح پارہ تخلیق نہیں کیا جسے مثال ونمونہ کہا جا سکے۔نئے مزاح نگاروں کے ہاں زیادہ تر لفظی مزاح اور مضحک واقعہ نگاری سے مزاح پیدا کرنے کا رجحان غالب نظر آتا ہے۔ اگرچہ دگرگوں سیاسی صورت حال،ہوس اقتدارواختیار،خود غرضی،منافقت،زرپرستی،اخلاقی زوال،بے گانگی اوربالخصوص سوشل میڈیا کی وجہ سے اپنوں سے بڑھتی ہوئی دوری اور غیروں بل کہ اجنبیوں سے روز افزوں قربت ایسے موضوعات ہیں جن پر عمدہ طنزیہ ومزاحیہ ادب تخلیق کیا جا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) محمد حمزہ فاروقی،مقدمہ افکار وحوادث۔مشمولہ افکار وحوادث (جلداول)، (لاہور :مغربی پاکستان اردواکیڈمی۔۱۹۹۱ء)،۲۱۹۔۲۲۰۱۔

(۲) حاجی لق لق، آوازِ لق لق،(دہلی:حالی پبلشنگ ہاؤس ، طبع چہارم،س ن)،۲۴۔

(۳) شفیع عقیل،مجید لاہوری کی حرف وحکایت، (لاہور:مکتبہ میری لائبریری،۱۹۷۱ء)، ۶۶۔۶۷

(۴) سندباد جہازی، حرف وحکایت، مرتب: سید ضمیر جعفری،(لاہور: مکتبہ کارواں)،۶۴۲۔۶۴۳۔

(۵) وزیر آغا، اردو ادب میں طنزو مزاح، (لاہور: مکتبۂ عالیہ،طبع سوم،۱۹۷۷ء)،۳۴۰۔۳۴۱۔

(۶) شوکت تھانوی،مضامین شوکت تھانوی،(لاہور: ادارہ فروغ اردو، س ن)،۱۸۔۱۹۔

(۷) سعادت حسن منٹو ، تلخ ترش اور شیریں، (دہلی:ساقی بک ڈپو، ۱۹۸۲ء)،۲۰۔

(۸) ابراہیم جلیس، پبلک سیفٹی ریزر،(لاہور:گوشہ ادب،۱۹۵۰ء)،۲۰۷۔۲۰۹۔

(۹) محمد خالد اختر، چاکی واڑہ میں وصال،(لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، طبع دوم،۱۹۸۵ء)، ۱۶۲۔۱۶۳۔

(۱۰) رؤف پاریکھ، اردو نثر میں طنز و مزاح کا سیاسی اور سماجی پس منظر،(کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان۔طبع اول۔۹۷-۱۹۹۶ء)،۳۷۸۔۳۷۹۔

(۱۱) وزیر آغا، اردو ادب میں طنزو مزاح،۳۶۳۔

(۱۲) شفیق الرحمن، پرواز،(لاہور : ماورا پبلشرز ،طبع دوم ،۱۹۹۴ء)،۳۵۔

(۱۳) کرنل محمد خاں، بسلامت روی،(لاہور:غالب پبلشرز،۱۹۹۲ء)،۱۳۴۔ ۱۳۵۔

(۱۴) مشتاق احمد یوسفی،چراغ تلے،(کراچی:مکتبہ دانیال، طبع چہارم، ۱۹۸۴ء)،۸۹۔

(۱۵) مشتاق احمد یوسفی،آب گم،(کراچی:مکتبہ دانیال، طبع اول،۱۹۹۰ء)،۱۱۰۔

(۱۶) مشتاق احمد یوسفی،خاکم بدہن،(کراچی:مکتبہ دانیال، طبع بیست،۲۰۱۷ء)،۱۵۹۔

(۱۷) مشتاق احمد یوسفی،چراغ تلے،۵۰۔

(۱۸) ابن انشاء، ابن بطوطہ کے تعاقب میں،(دہلی: اردو بکس ، س ن)، ۹۸۔۹۹۔

(۱۹) رؤف پاریکھ، اردو نثر میں طنز و مزاح کا سیاسی اور سماجی پس منظر، ۴۰۱۔

(۲۰) صدیق سالک ، تادم تحریر،(راولپنڈی: مکتبہ سرمد، اشاعت ششم، ۱۹۹۰ء)، ۹۔

BIBLIOGRAPHY

- Abdul Majeed Salik. *Afkār o Ḥavādis,* (Comp.) Hamzah Farooqi, (Lahore: Maghrabi Pakistan Urdi Acedemi,1991)
- Haji Laq Laq, *Āvāz-e Laq Laq*, (Dehli: hali Pablishing Haus, Isha'at-e caharum).
- Ibn-e Insha, *Ibn-e Batūta k Ta'aqub men*, (Dehli: Urdu Books).
- Ibn-e Insha, *Urdū kī Ākhrī Kitāb*, (Lahor: Lahore Acedemi, 2017)
- Ibraheem Jalees, *Pablic Saifti Razar*, (Lahore: Gosha-i Adab, 1950)
- Muhammad Khalid Akhtar, *Chākī Wārah men Visāl*, (Lahore: Sang-e Mee Pablications, 1985).
- Muhammad Khan, *Baslāmat Ravī*, (Lahore: Ghalib Publications 1992, 1992).
- Mushtaq Ahmad Yousafi, *Charāgh Taly*, (Karachi: Maktabah Daneyal, 1984)
- Mushtaq Ahmad Yousafi, *Khākam Badahan*, (Karachi: Maktabah Daneyal, 2018).
- Mushtaq Ahmad Yousufi, *Āb-e Gūmm*, (Karachi: Maktabah Daniyal, 1990)
- Raou Parekh, *Urdū Tanz-o Mazaḥ kā Siyāsi-o Samāji Pasw-e Manzar*, (Karachi:Anjuman-e Taraqq-yi Urdu Pakistan, 1996-97)
- Sa'adat Hasan Manto, *Talkh Tursh aur Sheeren*, (Dehli: Saqi Book Depu, 1982).
- Shafiq al- Rehmnn, *Parvāz*, (Lahore: Mawra Pablishars, 1994)
- Shaukat Thanwi, *Mazamīn-e Shaukat Thānvi*, (Lahore: Idarah Frogh-e Urdu).
- Siddiq Salik, *Tā Dam-e Tahrīr*, (Rawalpindi: Maktabah Sarmad, 1990)
- Wazeer Agha, *Urdū Adab men Tanz-o Mazaḥ*, (Lahore: Maktabah Aaliyah, 1977)

❖❖❖